www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ثروت جمال اصمعی

مساواتِ مردو زَن کے نعرے اور مغربی خواتین کی حالتِ زار

مغربی تہذیب کے بنیادی مراکز کا خصوصی مطالعہ

جدید مغربی تہذیب کا مولد اور اوّلین پیشوا انگلستان یا برطانیہ ہے۔ امریکہ سپر پاور ہونے کے باوجود مغرب کی تہذیبی اقدار کی نمائندگی کے حوالے سے آج بھی برطانیہ کا ہم پلّہ نہیں۔ اس لئے مغرب میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے حوالے سے برطانیہ کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ مساواتِ مردوزن کا نعرہ برطانیہ ہی میں سب سے پہلے بلند ہوا لیکن آزادیٔ نسواں کی تحریک کو تقریباً تین صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی خود برطانوی اہل فکر و نظر کے مطابق برطانیہ کی عورت مساوی حقوق اور باوقار مقام سے محروم ہے اور دفاتر اور کارگاہوں میں اس کے ساتھ امتیازی سلوک معمول کا حصہ ہے۔ اس حوالے سے کچھ اہم حقائق اور معلومات اس باب میں پیش کی جارہی ہیں۔

تیس ہزار برطانوی عورتیں حمل کے باعث ہر سال روزگار سے محروم

مؤقر اور معروف برطانوی جریدے گارجین کی ۵/ جون ۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق مساواتِ مردوزن کی تحریک کے سرخیل اس ملک میں آج بھی ہر سال اوسطاً ۳۰ ہزار عورتیں ملازمتوں سے فارغ کی جاتی ہیں۔ "Employers targeting pregnant women for redundancy" یعنی "مالکان حاملہ عورتوں کو فاضل قرار دے کر نشانہ بنا رہے ہیں" کی سرخی کے تحت شائع کی جانے والی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"اپنی ملازمتوں سے محروم ہونے والی حاملہ عورتوں اور نئی ماؤں کی تعداد میں چونکا دینے والا اضافہ دیکھا جارہا ہے کیونکہ مالکان، بچے نہ رکھنے والے اُن کے دفتری ساتھیوں کے مقابلے میں انہیں غیر ضروری قرار دے کر ملازمتوں سے نکال دیتے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہیں۔ یہ معلومات اس ہفتے وجود میں آنے والا مددگار گروپوں کا ایک اتحاد منظر عام پر لایا ہے۔ حاملہ عورتوں کے ساتھ کارگاہوں میں امتیازی سلوک کے خلاف بننے والے اتحاد "The Alliance Against Pregnancy Discrimination in the Workplace" نے وکلا اور امدادی اداروں سے مشاورت کرنے والی عورتوں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ دیکھا ہے کیونکہ زچگی کی چھٹیوں یا ایام حمل کے دوران ان کی نوکریاں ختم کی جاتی رہی ہیں۔ اتحاد نے گزشتہ روز متنبہ کیا کہ ''اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مالکان سرد بازاری کو امتیازی سلوک کے انسدادی قانون کو توڑنے کا بہانہ بنا رہے ہیں.... زچگی کی چھٹی کے نتیجے میں ملازمت سے محرومی کے طویل المیعاد اثرات عورتوں کے مالی تحفظ کو اُن کی پوری زندگی کے لئے خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔''

'ایکولٹی' Equality نامی تنظیم اور انسانی حقوق کے کمیشن کے مطابق اندازہ لگایا گیا کہ ہر سال تقریباً ۳۰ ہزار عورتیں حمل کی بنا پر اپنے روزگار سے محروم ہو جاتی ہیں، لیکن خدشہ ہے کہ معاشی انحطاط کی وجہ سے یہ تعداد اور بڑھے گی۔ حکومت اس نوعیت کے امتیازی سلوک کے بارے میں کوئی معلومات اور اعداد و شمار جمع نہیں کر رہی ہے اور ٹریبونلز سروس کے لیے اس عمل میں کوئی رکاوٹ ڈالنا فی الوقت محال ہے۔''[1]

مردوں کے مساوی تنخواہ کے لئے ۹۸ سال مزید انتظار

گارجین نے اپنی ۳۱/ اگست ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں ایک خبر اس سرخی کے ساتھ شائع کی ہے کہ ''خواتین ایگزیکٹیوز کو مساوی تنخواہ کے لئے ۹۸ سال انتظار کرنا پڑ سکتا ہے۔''

"Women executives could wait 98 years for equal pay."

یہ خبر برطانیہ کے چارٹرڈ مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ کی ایک رپورٹ پر مبنی ہے۔ اس کی ذیلی سرخی یہ ہے کہ ''انتظامی عہدوں پر کام کرنے والی عورتیں پہلے ہی مردوں سے

1 http://www.guardian.co.uk/society/2009/jun/05/pregnant-women-targeted-redundancy?INTCMP=ILCNETTXT3487

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

دس ہزار پونڈ کم لے رہی ہیں۔" خبر کا آغاز یوں ہوتا ہے: "عورتوں کو رائے دہی کا مساوی حق تو ۱۹۲۸ء سے حاصل ہے مگر تنخواہوں میں برابری کے لئے اُنہیں مزید ۹۸ سال انتظار کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ بات ایک ریسرچ کے نتیجے میں سامنے آئی ہے۔"

خبر میں مزید کہا گیا ہے کہ "خواتین ایگزیکٹیوز کی تنخواہیں اگرچہ اپنے مرد ساتھیوں کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہیں لیکن اگر اضافے کی رفتار وہی رہی جو اب ہے تو باہمی فرق ختم ہوتے ہوتے سن ۲۱۰۹ء آجائے گا، یہ انکشاف چارٹرڈ مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ نے کیا ہے۔ ریسرچ کی رُو سے مرد منتظمین کو یکساں ذمہ داریوں کے لئے بدستور عورتیں سے زیادہ معاوضہ دیا جارہا ہے، عورتوں کی ۳۱۸۹۵ پاؤنڈ تنخواہ کے مقابلے میں مردوں کو اوسطاً ۴۲۴۴۱ پاؤنڈ دیے جارہے ہیں۔ ریسرچ کے مطابق پچھلے سال تنخواہوں میں جو فرق ۱۰۰۳۱ پاؤنڈ تھا، وہ بڑھ کر ۱۰۵۴۶ پاؤنڈ ہو گیا ہے، باوجود یہ کہ فروری ۲۰۱۱ء تک بارہ مہینوں میں عورتوں کی تنخواہیں مردوں کی ۱،۲ شرح کے مقابلے میں ۴،۲ کی شرح سے بڑھیں۔"[1]

بیس فی صد بڑی کمپنیوں کی انتظامیہ میں عورتوں کا حصہ صفر

گارجین کی ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کی ایک خبر کے مطابق برطانیہ کی بڑی کمپنیوں کے ڈائریکٹروں میں عورتوں کا حصہ ہولناک حد تک کم ہے۔

"Shocking, lack of women top company directors" کی سرخی کے تحت شائع ہونے والی اس خبر میں، جس کی بنیاد 'ڈیلائٹ' نامی ادارے کی ایک ریسرچ ہے، کہا گیا ہے:

"برطانیہ کی سب سے بڑی کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں عورتوں کا ہولناک حد تک کم تناسب جمعرات کو منظر عام پر آنے والے ایک تجزیے سے عیاں ہوا جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ بھرتیوں کی موجودہ شرح سے بورڈ رومز میں یہ فرق ۲۰ سال میں تین ڈائریکٹروں میں سے ایک کے عورت ہونے تک پہنچے گا۔ ڈیلائٹ

1 http://www.guardian.co.uk/society/2011/aug/31/cmi-equal-pay-report

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کی اس رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ FTSE 100 کی ۲۰ فی صد کمپنیوں کے بورڈوں میں کوئی خاتون ڈائریکٹر شامل نہیں ہے جبکہ اعلیٰ انتظامی عہدوں میں سے صرف پانچ فی صد پر عورتیں فائز ہیں۔ ڈیلائٹ کی ٹیم میں شامل کیرول ایرواسمتھ کے بقول ایسی کمپنیوں کی تعداد بلاشبہ ہولناک ہے جن کے بورڈز میں کوئی خاتون رکن نہیں۔ یہ بات خاص طور پر باعثِ تشویش ہے کہ ۱۰ سال کے دوران بورڈز آف ڈائریکٹر میں عورتوں کا تناسب ۵ سے بڑھ کر صرف ۹ فی صد تک پہنچا ہے۔ اس شرح سے بورڈز میں عورتوں کی نمائندگی کے ۳۰ فی صد تک پہنچنے میں مزید ۲۰ سال لگیں گے جو 'تھرٹی پرسنٹ کلب' کا ہدف ہے۔"[1]

برطانیہ کی 'سیکس انڈسٹری' کو سالانہ چار ہزار عورتوں کی فراہمی

گارجین کی ۲۲/ اگست ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں انکشاف کیا گیا ہے کہ برطانیہ میں ہر سال ناقابل یقین تعداد میں عورتیں عصمت فروشی کے کاروبار کے لئے مختلف ملکوں سے لائی جاتی ہیں۔ 'مارکیٹ فورسز' کی سرخی والی اس خبر کی ذیلی سرخی کے الفاظ ہیں:

"بہت سے مرد جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے عورتوں کی خریداری کو محض شاپنگ کی ایک اور قسم سمجھتے ہیں، لیکن ان کا یہ طرزِ عمل اس کاروبار کے لئے عورتوں کی غیر قانونی تجارت اور درآمد (ٹریفکنگ) کو تیزی سے بڑھا رہا ہے۔"

رپورٹ میں کیا گیا یہ انکشاف مغربی تہذیب کے اس عظیم مرکز میں عورتوں کے مقام و مرتبے کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ

"سرکاری اعداد و شمار سے یہ تخمینہ سامنے آتا ہے کہ برطانیہ میں ہر سال کوئی چار ہزار عورتیں سکڑتی ہوئی سرحدوں اور سیکس کی خریداری کے حوالے سے بدلتے ہوئے رویوں سے مہیا ہونے والی سہولتوں کی بنا پر فروغ پذیر سیکس انڈسٹری کی مانگ پوری کرنے کے لئے درآمد کی جاتی ہیں۔"

1 http://www.guardian.co.uk/business/2011/oct/13/shocking-lack-women-directors-ft

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ان حقائق کو سامنے لانے کا سہرا CCAT نامی ادارے کے سر ہے جو 'کرائیڈن کمیونٹی اگینسٹ ٹریفکنگ' کا مخفف ہے۔ کرائیڈن (Croydon) جنوبی لندن کا علاقہ ہے۔ یہاں وزارتِ داخلہ کے دفاتر واقع ہیں جن میں بارڈر اور امیگریشن ایجنسی بھی شامل ہیں لہٰذا اس علاقے میں یہ کاروبار زیادہ آسان ہے۔ نتیجہ یہ کہ گارجین کے الفاظ میں یہاں ''جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے درآمد کی گئی عورتوں کی خریداری اتنی ہی سہل ہے جیسے پیزا کا آرڈر دینا۔''

خبر کے مطابق علاقے میں اس کاروبار کے تیزی سے پھلنے پھولنے کی وجہ سے مقامی لوگوں نے پریشان ہو کر اپنے طور پر معاملات کی تحقیق کی کوشش کی تاہم انتقامی کارروائی کے خوف سے اُنہوں نے اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کیا۔ اُنہوں نے سٹے بازوں کی حیثیت سے سو قحبہ خانوں، حماموں (Saunas) اور اسکارٹ ایجنسیوں کو فون کیے جن کے اشتہارات مقامی اخبارات میں شائع ہوئے تھے اور پھر یہ جان کر ششدر رہ گئے کہ عصمت فروشی کے لیے بیچی جانے والی ۸۴ فیصد عورتیں بیرونِ ملک سے لائی گئی تھیں، اور ان میں سے اکثر غیر قانونی طور پر خریدی اور بیچی گئی تھیں۔[1]

مظلوم عورتوں کو ۲۰۱۱ء میں بھی قانونی تحفظ نہیں ملا

برطانیہ میں عورتوں کی یوں بے روک ٹوک تجارتی سطح پر درآمد اور اُنہیں عصمت فروشی پر مجبور کیے جانے کے خلاف آواز اُٹھائی گئی اور حکومت نے انسانی ٹریفکنگ کے خلاف ۲۰۱۱ء میں قانون سازی بھی کی لیکن ماہرین کے بقول یہ قانون سازی برطانیہ میں جبری عصمت فروشی کے لیے عورتوں کی درآمد پر اثر انداز نہیں ہوگی بلکہ روزگار کے لیے برطانیہ کا رخ کرنے والے عام تارکین وطن کی آمد کو روکنے تک محدود رہے گی۔

گارجین کی ۲ جولائی ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں "New trafficking laws, will not care for slavery victims" کی سرخی کے تحت 'ہیومن ٹریفکنگ فاؤنڈیشن' کے سربراہ اور ۲۰۱۰ء تک پارلیمنٹ کے رکن رہنے والے انتھونی اسٹین کا بیان عصمت فروشی پر

1 http://www.guardian.co.uk/society/2007/aug/22/guardiansocietysupplement.crimel

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مجبور کر دی جانے والی درآمد شدہ عورتوں کے حوالے سے حقیقت واضح کرتا ہے۔ انھوں نے اس مسئلے کے حل کے لئے کل جماعتی پارلیمانی گروپ بھی بنایا تھا۔ تاہم اس ضمن میں بننے والے قانون پر اُن کا کہنا تھا کہ یہ بات باعثِ افسوس ہے کہ انسانی تجارت کی روک تھام کے لئے تشکیل دی جانے والی حکمتِ عملی میں اصل زور بے بس عورتوں کے مسئلے کے بجائے سیاسی معاملات پر دیا گیا ہے، اُن کے بقول:

> ''حکومت کی جانب سے انسانی تجارت کے مسئلے کو ترجیح دینے کا دعویٰ حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا، انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے اس قانون کو تارکین وطن کے بجائے انسانوں کی تجارت کرنے والوں کے خلاف اور ان کا نشانہ بننے والوں کے لئے ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے تھا۔''[1]

برطانیہ میں عورتوں پر گھروں میں تشدد

مغرب کی تہذیبی اقدار کے مثالی مرکز انگلستان میں عورتوں کے ساتھ گھروں میں ان کے شوہروں یا بوائے فرینڈز وغیرہ کی جانب سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس بارے میں سرکاری اور دیگر معتبر ذرائع کے فراہم کردہ کچھ اہم اعداد و شمار ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:[2]

① ۴۵ فیصد عورتیں کسی نہ کسی نوعیت کے گھریلو تشدد کے تجربے سے گزرتی ہیں مثلاً جنسی زیادتی یا خوف زدہ کیا جانا۔[3]

② تقریباً ۲۱ فیصد لڑکیاں بچپن میں کسی نہ کسی قسم کی جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔[4]

③ ہر سال کم از کم ۸۰ ہزار عورتیں زنا بالجبر کا نشانہ بنتی ہیں۔[5]

④ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ایک سروے کے مطابق سوال کا جواب دینے والے چار میں سے ایک شخص کا خیال تھا کہ زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی عورت اس عمل کی جزوی یا کلی طور پر

1 http://www..guardian.co.uk/uk/2011/jul/02/human-trafficking-laws- immigration-control
2 http://www.whiteribboncampaign.co.uk/Resources/violence_against _women
3 Walby, S.&Allen.J.(2004) Docestic violence, sexual assault and stalking: Findings from the British Crime Survey. Home Office. London.
4 HM Government(2007) Cross-government Action Plan on Sexual Violence and Abuse. Home Office. London.
5 Walby, S. & Allen, J. (2004) Domestic violence, sexual assault and stalking: Findings from the British Crime Survey. Home Office. London.

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

خود ذمہ دار ہے، اگر اس نے جنسی خواہش کو بھڑکانے یا جسم کو نمایاں کرنے والا لباس پہن رکھا ہو اور ہر پانچ میں سے ایک شخص اس نقطہ نظر کا حامی تھا کہ اگر کوئی عورت متعدد افراد سے جنسی تعلق رکھتی ہو۔[1]

⑤ انگلستان اور ویلز میں ہر ہفتے دو عورتیں اپنے کسی متشدد مرد دوست یا سابق دوست کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہیں۔ یوں گھروں میں ماری جانے والی تقریباً ۴۰ فیصد عورتیں اسی طرح قتل ہوتی ہیں۔[2]

⑥ گھریلو تشدد کے ۷۰ فیصد واقعات کا نتیجہ زخمی ہونے کی شکل میں نکلتا ہے جبکہ جان پہچان والوں کے تشدد میں یہ تناسب ۵۰ فیصد، اجنبی لوگوں کے تشدد میں ۴۷ فیصد اور راہ زنی کے واقعات میں ۲۹ فیصد دیکھا گیا۔[3]

⑦ جبری شادیوں کا ہدف بننے والوں میں ۸۵ فیصد عورتیں ہوتی ہیں۔[4]

⑧ گھریلو تشدد پر، اس کا نشانہ بننے والوں کے ذاتی خرچ کے علاوہ علاج معالجے اور ریاست کے مجموعی اخراجات کا تخمینہ ۲۳ بلین پاؤنڈ سالانہ ہے۔[5]

پالتو کتے پر تشدد قابل مذمت، لیکن عورتوں پر نہیں

گھروں کے اندر عورتوں پر تشدد کو برطانوی معاشرے میں جس طرح قبول کر لیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بی بی سی کی جانب سے ۱۸ فروری ۲۰۰۳ء کو پیٹر گلاوڈ کی "Scale of domestic abuse uncovered" یعنی "گھریلو تشدد کا پیمانہ بے نقاب" کے زیر عنوان پیش کردہ ایک سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ ۷۸ فیصد مردوں اور عورتوں نے کہا کہ اگر ان کے پڑوس میں کوئی شخص اپنے پالتو کتے کو پیٹ رہا ہو گا تو وہ پولیس کو

1 Amnesty UK (2005) Sexual Assault Research. Amnesty.
2 Provey, D. (2005) Crime in England and Wales 2003/2004: Supplementary Volume 1:Homicide and Gun Crime. Home Office Statistical Bulletin No.02/05. Home Office. London: Department of Health(2005) Responding to Domestic Abuse. DH. London. (from Statisics on Domestic Violence: www.womensaid.org.uk)
3 Dodd, T. et al (2004) Crime in England and Wales 2003-2004. Home Office. London (from 'Statistics on Domestic Violence' www.womensaid.org.uk
4 Forced Marriage: A Wrong not a Right, Home Office and Foreign & Commonwealth Office,2005
5 S Walby, The Cost of Domestic Violence

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اطلاع دے کر اُسے بچانے کی کوشش کریں گے جبکہ کسی گھر میں کسی مرد کی جانب سے اپنی بیوی یا دوست عورت پر تشدد دیکھے جانے کی صورت میں پولیس کو اطلاع دینے پر صرف ۵۳ فیصد نے آمادگی ظاہر کی۔[1]

گھر، عورتوں کے لیے سب سے خطرناک جگہ

اس تکلیف دہ اور شرمناک صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز برطانوی دانشور اور تجزیہ کار Ian Sinclair اپنے تجزیے 'عورتوں کے خلاف تشدد' (Violence Against Women) کے زیر عنوان میں کہتے ہیں:

"عورتوں کو درپیش خطرات کے حوالے سے ہمیں پورے معاملے پر از سر نو سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ مین اسٹریم میڈیا اگرچہ مسلسل اجنبیوں کے خطرے کا غوغا برپا کیے ہوئے ہے، مگر فی الحقیقت عورت کے لئے سب سے خطرناک جگہ اس کا اپنا گھر ہے۔ اکثر اسے آرام دہ اور محفوظ جنت تصور کیا جاتا ہے لیکن عملاً یہ ایسی جگہ ہے جہاں اُسے خوف، زخم اور بعض اوقات موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ برطانیہ میں ہر ہفتے دو عورتیں اپنے موجودہ یا سابقہ مرد آشناؤں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔"[2]

گھروں میں یہ سب کچھ کیوں کر ممکن ہوتا ہے؟ ... اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے یونیورسٹی آف بریسٹول کے 'وائلنس اگینسٹ ویمن ریسرچ گروپ' کی ڈائریکٹر گل ہیگ (Gill Hague) کہتی ہیں:

"گھر بہر صورت بند دروازوں کے پیچھے، عام لوگوں کی نگاہوں سے دور، پرائیویسی اور دوسرے لوگوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے گفتہ و ناگفتہ قوانین کے فراہم کردہ تحفظ کا حامل ہے۔"[3]

1 http://news. Bbc.co.uk/2/hi/uk_news/2752567.stm
2 http://zcommunications. org/violence-against-women-by-ian-sinclair
3 Gill Hague and Ellen Malos, Domestic violence. Action for change (New Clarion Press, Cheltenham, 2005) . P.6.

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی شرح میں مسلسل کمی

برطانوی وزارتِ داخلہ کی ایک رپورٹ کے مطابق جو گارجین کی ۲۱ جولائی ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں "آبروریزی کے مجرموں کی سزا یابی کی شرح میں اضافے کی کوششیں ناکام" "Efforts fail to improve rape conviction rates" کے عنوان سے شائع ہوئی، بتایا گیا ہے کہ عورتوں کی آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی شرح پست ترین سطح تک گر چکی ہے۔ Sandra Laville کی اس رپورٹ کے مطابق حکومت، پولیس اور پراسیکیوٹرز کی کوششوں کے باوجود اس شرح میں اضافہ نہیں ہو رہا اور کئی سال سے یہی کیفیت ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں پولیس کو رپورٹ کیے جانے والی عصمت دری کی وارداتوں میں صرف چھ فیصد ملزمان کو سزا ہوئی جبکہ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں یہ شرح ۳۲ فیصد تھی۔[1]

آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی اتنی کم شرح پر "Rape: a history from 1860 to present" نامی کتاب کی مصنفہ Joanna Bourke لکھتی ہیں:

> "عصمت دری کے جن مجرموں کے مقدمات کا نتیجہ سزا کی شکل میں نکلے اُنہیں اپنے آپ کو استثنائی طور پر بد قسمت سمجھنا چاہیے۔"[2]

اس کے ساتھ ساتھ جنسی جارحیت کا نشانہ بننے والی خواتین کی دیکھ بھال کے مراکز کی تعداد اور ان کے لئے مختص کی جانے والی رقم میں بھی مسلسل کمی ہو رہی ہے۔ گارجین میں تین جولائی ۲۰۰۷ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق انگلستان اور ویلز میں 'ریپ کرائسز سنٹرز' کی تعداد ۱۹۸۵ء میں ۸۴ تھی جو ۲۰۰۷ء میں گھٹ کر صرف ۳۲ رہ گئی اور ان میں سے بھی نصف کو قلتِ وسائل کے سبب بندش کے خطرے کا سامنا تھا۔[3]

'لندن میٹروپولیٹن یونیورسٹی' میں جنس زدہ تشدد کے مضمون کی پروفیسر Liz Kelly

1 http://www.guardian.co.uk/uk/2007/july/21/ukerime.immigrationpolicy
2 Joanna Bourke. Rape: a history from 1860 to present Virago Press Ltd. London, 2007
3 http://www.guardian.co.uk/society/2007/jul/03/crime.penal

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نشاندہی کرتی ہیں کہ اس عرصے میں پول ڈانسنگ کلبوں کی تعداد بڑھ کر تین گنا ہو گئی ہے جس سے برطانوی معاشرے کی موجودہ ترجیحات واضح ہیں۔

(۲) امریکہ میں خواتین سے سلوک

یکساں کام کی اُجرت مردوں سے ۲۳ فیصد کم

امریکہ کی نیشنل آرگنائزیشن فاروومین کی جانب سے ''امریکہ میں محنت کش عورتوں کے کام کے حالات یورپ کے مقابلے میں ابتر ہیں۔'' کے عنوان سے پیش کی گئی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق، جو فروری ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آئی جسے Riley Karbon اور Field intern نے مرتب کیا ہے، امریکہ میں ایک ہی نوعیت کے جس کام کے لئے مرد کارکن کو ایک ڈالر دیا جاتا ہے، خاتون ورکر کے لئے اسی کام کی اُجرت ۷۷ سینٹ ہے حالانکہ ورک فورس میں اب امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور یہ حقیقت رپورٹ کے مطابق محکمہ محنت کے ان ہی دنوں جاری کردہ رپورٹ سے واضح ہے۔[1]

چنانچہ 'نیشنل آرگنائزیشن فاروومین' نے ۱۲/ اپریل ۲۰۱۱ء کو عورتوں اور مردوں کی اُجرتوں کے فرق کے خاتمے کا دن منایا۔ اس موقع پر تنظیم کی صدر ٹیری اونیل Terry O'Neill نے بیان دیتے ہوئے کہا:

> ''فی الوقت عورتوں کو مردوں کے ایک ڈالر کے مقابلے میں ۷۷ سینٹ ادا کیے جاتے ہیں۔ ذرا سوچیے، پورے سال کل وقتی ملازمتیں کرنے والی محنت کش خواتین کارکنان، دو دہائیوں سے مردوں کے مقابلے میں ۷۰ اور ۸۰ فیصد کے درمیان تنخواہوں پر رُکی ہوئی ہیں۔ مساوی اُجرت کا دن اس عدم مساوات کے خلاف ایک پُرزور یاددہانی ہے۔ یہ دن اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نئے سال میں متوسط درجے کی عورتوں کو وہ رقم حاصل کرنے کے لئے لازمی طور پر کتنا کام کرنا ہو گا جو

1 http://www.now.org/news/blogs/index/php/sayit/2010/02/11.working-conditions-for-women-inu-s-lag-behing-europe

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

متوسط درجے کے مردوں کو پچھلے سال ادا کی جاچکی ہے۔ اس امر پر بھی خصوصی توجہ دی جانی چاہیے کہ رنگ دار عورتوں کی تنخواہیں، نسلی امتیاز کی وجہ سے اوسط سے اور بھی پیچھے ہیں۔''[1]

عورتوں پر تشدد: اقوام متحدہ کی نمائندۂ خصوصی کی رپورٹ

امریکہ میں عورتوں پر تشدد کے ہمہ پہلو جائزے کے لئے ۲۴ جنوری سے ۷ فروری ۲۰۱۱ء تک اقوام متحدہ کی 'ہیومن رائٹس کونسل' کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے پروفیسر راشدہ منجو نے امریکہ کا مطالعاتی دورہ کیا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۹ء میں بھی وہ تین ماہ کے لئے اس تحقیقی مشن پر کام کر چکی تھیں۔ راشدہ منجو جنوبی افریقہ میں ہائی کورٹ کی وکیل ہیں اور امریکہ کی ویبسٹر یونیورسٹی میں معلّمی کے فرائض بھی انجام دیتی رہی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اُنہوں نے ''عورتوں کے خلاف تشدد، اُس کی وجوہات اور نتائج و اثرات'' کے عنوان سے یہ رپورٹ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۱ء کے اجلاس میں پیش کی جس کی خبر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ہائی کمشنر کے دفتر کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔[2]

اس مفصل رپورٹ میں پیش کیے گئے کچھ اہم واقعات، حقائق اور اعداد و شمار یہ ہیں:[3]

شوہروں اور دوستوں کے ہاتھوں تشدد

گھریلو تشدد یعنی شوہروں یا مرد آشناؤں یا دوستوں کے ہاتھوں عورتوں پر ہونے والے تشدد کے ضمن میں رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''گھریلو تشدد یا قریبی ساتھیوں کی جانب سے ہونے والا تشدد انسانی حقوق کی ایسی خلاف ورزی ہے جو امریکہ کے طول و عرض میں وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ 'نیشنل کرائم وکٹی مائزیشن سروے' کے مطابق ۲۰۰۸ء میں امریکہ میں عورتوں پر مرد ساتھیوں کی جانب سے تقریباً ۵۵۲۰۰۰ پُر تشدد جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ ان میں ۳۵۶۹۰ زنا

1 http://now.org/press/04-11/04-12.html
2 http://www.ohchr.org/en/NewsEvents/pages/DisplayNews.aspx? News ID=11479&LangID=E
3 http://www.ohchr.org/English/bodies/hrcouncil/docs/17session/A.HRC. 17.26. Add.5_AEV.pdf

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بالجبر یا جنسی زیادتی کی وارداتیں، ۳۸۸۲۰ ڈکیتیاں، ۷۰۵۵۰ شدید طور پر زخمی کرنے والے حملے اور ۴۰۶۵۳۰ نسبتاً کم جسمانی نقصان پہنچانے والے حملے شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۰ء میں اوسطاً ہر روز ۵۰۰ عورتیں جنسی حملوں کا نشانہ بنیں۔ تشدد کے واقعات کی شرح عورتوں میں ۴ء۳ فی ہزار اور مردوں میں ۸ء۰ فی ہزار رہی۔ (پیراگراف:۸)

۲۰۰۷ء میں قتل ہونے والی عورتوں میں سے ۶۴ فیصد اپنے قریبی مرد دوستوں یا گھر کے کسی فرد کے ہاتھوں ماری گئیں۔ اُن میں سے ۲۴ فیصد واقعات کے مرتکب ان عورتوں کے موجودہ یا سابق شوہر ہوئے، ۲۱ فیصد واقعات بوائے فرینڈز یا گرل فرینڈز کے ہاتھوں پیش آئے جبکہ ۱۹ فیصد واقعات میں خاندان کا کوئی دوسرا فرد ملوث پایا گیا۔ اس سال قریبی دوستوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی شرح ایک لاکھ عورتوں میں ۰۷ء۱ جبکہ ایک لاکھ مردوں میں ۷۴ء۰ رہی۔ (پیراگراف:۹)

رپورٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ اعداد و شمار حقیقی صورت حال کی مکمل عکاسی نہیں کرتے کیونکہ قریبی ساتھیوں کی جانب سے ہونے والے تشدد اور جنسی زیادتی کی وارداتیں خوف وہراس اور دیگر وجوہ کی بنا پر بہت ہی کم رپورٹ کی جاتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۰ء تک زنا بالجبر کے صرف ۳۶ فیصد، جنسی زیادتی کی کوشش کے ۳۴ فیصد اور جنسی حملوں کے ۲۶ فیصد واقعات پولیس کو رپورٹ کیے گئے۔ (پیراگراف:۱۷)

جیلوں میں بدسلوکی

امریکی جیلوں میں عورتوں سے بدسلوکی کی تفصیلات، اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کی خصوصی نمائندہ کی چشم کشا رپورٹ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کی جانب سے بہتری کی کوششوں کے باوجود اب تک امریکی جیلوں میں قید عورتیں ہر قسم کی زیادتیوں کا نشانہ بن رہی ہیں۔ ان تفصیلات کا خلاصہ بھی بہت جگہ چاہتا ہے، اسلئے محض چند اقتباسات پر اکتفا کر رہے ہیں جن سے مجموعی صورت حال کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رپورٹ میں اگرچہ تقریباً پچھلے ڈیڑھ عشرے کے حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے لیکن ہم حالیہ چند برسوں کی کیفیت کے حوالے سے رپورٹ کے مندرجات نقل کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"جہاں تک جیلوں میں عورتوں کے ساتھ جنسی بد سلوکی کا تعلق ہے، تو ۲۰۰۸-۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ نشاندہی کرتی ہے کہ بارہ مہینوں کی مدت میں امریکی جیلوں میں 4.7 فیصد عورتوں کو اپنے مرد قیدی ساتھیوں اور 2.1 فیصد کو جیل کے عملے کے ارکان کے ہاتھوں مختلف نوعیت کی جنسی بد سلوکی، زیادتی، خوف وہراس اور جنسی حملوں کا تجربہ ہوا۔ انسپکٹر جنرل کے دفتر سے جاری ہونے والی ۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ جیل کے عملے کے مرد ارکان اکثر قیدی عورتوں کی جامہ تلاشی کے دوران جنسی چھیڑ چھاڑ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عملے کے یہ ارکان اپنے اختیارات اور طاقت کے بل پر قیدی عورتوں کو زبردستی جنسی تعلق پر مجبور کرتے ہیں۔"

"قیدی عورتوں کے جیل کے ساتھیوں سے انٹرویوز سے پتہ چلا کہ قیدی عورتیں بعض اوقات ٹیلیفون تک رسائی، کھانے پینے کی اشیا اور صابن اور شیمپو جیسی چیزوں کے حصول تک کے لیے جنسی زیادتی قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اُن میں سے بہت سی پوری زندگی کے لئے ذہنی انتشار، بے چینی اور ڈپریشن جیسے نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان تلخ اور ذلت آمیز واقعات کو بھلا نہ پانے کی بنا پر اُن میں سے بہت سی عورتیں خودکشی تک کر گزرتی ہیں۔ (پیراگراف: ۳۲، ۳۳)"[1]

فوج میں جنسی زیادتی روز کا معمول

درج بالا سرخی کے تحت رپورٹ میں کہا گیا ہے: "فوج کے اندر عورتوں پر جنسی حملے اور اُنہیں خوف زدہ کرنے کو عورتوں کے خلاف تشدد کی ایک وسیع قسم کے طور پر امریکہ میں بلا تامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ وکلا بتاتے ہیں کہ عورتیں جب فوج کی ملازمت اختیار کرتی ہیں تو وہ نہ صرف جنگ وجدل کے حوالے سے جسمانی خطرات مول لیتی ہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کی جانب سے جنسی حملوں کے خطرے کا سامنا بھی کرتی ہیں۔ جنسی حملوں کا سامنا اگرچہ مردوں اور عورتوں دونوں کو کرنا پڑتا ہے، تاہم دستیاب اعداد شمار ظاہر کرتے ہیں کہ نشانہ بننے والوں میں

1 http://nowfoundation.org/issues/violence/Oct2011SRVAW webinar.html.

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بھاری اکثریت جونیئر رینکس کی ۲۵ سال سے کم عمر عورتوں کی ہوتی ہے۔ (پیراگراف:۲۲)

صورت حال کی سنگینی کا اندازہ رپورٹ میں کیے گئے اس انکشاف سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی فوج میں عورتوں کو درپیش ناگفتہ بہ صورت حال پر دو سابق وزرائے دفاع کے خلاف اجتماعی مقدمات بھی دائر کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے رپورٹ میں کہا گیا ہے:

> ''سابق وزرائے دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ اور رابرٹ گیٹس کے خلاف، آبروریزی اور جنسی حملوں کی شکایات پر کارروائی نہ کرنے، ان کی تحقیقات نہ کرنے، مجرموں کو سزا دینے میں ناکام رہنے اور انصاف کی فراہمی کے نظام کو کمزور رکھنے پر متاثرین کی جانب سے اجتماعی مقدمے کے بارے میں بھی خصوصی نمائندے کو بتایا گیا۔ مقدمے میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ عصمت دری اور جنسی حملوں کا نشانہ بننے والوں کے خلاف کھلم کھلا خوف زدہ کرنے اور نقصان پہنچانے کی کارروائیاں کی گئیں، جرائم کی شکایت درج کرانے کے معاملے میں ان کی حوصلہ شکنی کی گئی، نیز انہیں اپنی زبان بند رکھنے اور جو زیادتی اُن کے ساتھ ہوئی، اسے کسی کو نہ بتانے کا حکم دیا گیا۔'' (پیراگراف:۲۳)

امریکہ میں عورتوں کے خلاف تشدد خصوصاً جنسی زیادتی اور جرائم پر مبنی اقوام متحدہ کی نمائندہ خصوصی کی اس رپورٹ کے اگلے پیراگراف میں اس حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے کہ فوج میں ہونے والے اس نوعیت کے جرائم عام طور پر ریکارڈ پر نہیں آتے کیونکہ متاثرین چپ رہنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

> ''کیونکہ فوج میں جنسی حملوں کے بیشتر واقعات کی رپورٹ درج نہیں کرائی جاتی لہٰذا درست اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ محکمہ دفاع کے مطابق، تازہ ترین بے نام سروے سے پتہ چلتا ہے کہ ایکٹو ڈیوٹی عورتوں میں سے 4.4 فیصد اور ایکٹو ڈیوٹی مردوں میں سے 0.9 فیصد نے اشارہ دیا کہ وہ سروے سے پہلے کے بارہ ماہ کے دوران جبری جنسی تعلق کے تجربے سے گزرے ہیں۔ اُن میں سے صرف ۲۹ فیصد عورتوں اور ۱۴ فیصد مردوں نے بتایا کہ اُنہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی شکایت محکمہ دفاع کے کسی عہدیدار سے کی ہے۔'' (پیراگراف:۲۴)

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

فوج میں عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات کی رپورٹنگ کے اس قدر کم ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ کی نمائندہ خصوصی کی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ" فوج کے تحکمانہ نظام کی وجہ سے زیادتی کا شکار ہونے والے شکایت کرنے کی صورت میں اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اگر زیادتی کے ذمہ دار، متاثرہ فرد کے افسران میں سے ہوں تو ان کے خلاف شکایت کرنا محال کو ممکن بنانے کی کوشش کے مترادف ہوتا ہے اور متاثرین اکثر محسوس کرتے ہیں کہ اُنہیں اپنی فوجی ملازمت یا انصاف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔(پیراگراف:۲۷)

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ متاثرین کے وکلا نے بتایا کہ شکایت کرنے کی صورت میں متاثرین بااثر ملزمان کی جانب سے انتقامی کارروائی کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ کمانڈر عام طور پر شکایت کرنے والوں کو ملزمان کے انتقامی اقدامات سے تحفظ مہیا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔(پیرا گراف:۲۸)

خاتون رکن کانگریس کی گواہی

سی این این کی ۳۱؍جولائی ۲۰۰۸ء کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"کانگریس کی ایک خاتون رکن کے بقول اُن کا منہ اس وقت کھلا کا کھلا رہ گیا جب سابق فوجیوں کے ایک اسپتال میں فوجی ڈاکٹروں نے اُنہیں بتایا کہ دس میں سے چار عورتوں نے شکایت کی ہے کہ فوجی ملازمت کے دوران اُنہیں جنسی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جبکہ ایک سرکاری رپورٹ کی رُو سے یہ تعداد اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ ڈی کیلیفورنیا سے کانگریس کی رکن جین ہرمین نے یہ انکشاف کانگریس کے ایک پینل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کیا جو یہ تحقیق کر رہا ہے کہ فوج میں جنسی زیادتیوں کے واقعات سے کس طرح نمٹا جاتا ہے۔ جین ہرمین نے بتایا کہ اُنہوں نے حال ہی میں لاس اینجلس میں سابق فوجیوں کے ایک اسپتال کا دورہ کیا، جہاں انہیں فوج میں عورتوں کی آبروریزی کی خوفناک کہانیاں سنائی گئیں۔"

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جین ہرمین کے مطابق جنسی حملوں کا نشانہ بننے والی ان عورتوں میں سے ۲۹ فیصد نے انکشاف کیا کہ فوجی ملازمت کے دوران اُن کی عزت لوٹی گئی۔ ان عورتوں نے اپنے مستقل خوف، بے بسی کے احساس اور مسلسل ابتر ہوتی نفسیاتی کیفیت کے بارے میں بتایا جس میں وہ اسی وقت سے مبتلا ہیں جب اُنہیں اس ظلم کا ہدف بنایا گیا۔

جین ہرمین نے صورتِ حال کی سنگینی کو یوں واضح کیا:

"ہماری فوج میں یہ چیز ایک وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ امریکی فوج میں ملازمت کرنے والی عورتیں آج عراق میں دشمن کی گولی سے مرنے سے کہیں زیادہ اپنے مرد ساتھیوں کے ہاتھوں آبروریزی کے خطرے سے دوچار ہیں۔"

امریکہ کانگریس کی اس خاتون رکن کے بقول ۲۰۰۷ء میں فوج کے اندر جنسی حملوں کے ۲۲۱۲ کیس رپورٹ ہوئے مگر ان میں سے صرف ۱۸۱ یعنی محض ۸ فیصد کورٹ مارشل کے لیے بھیجے گئے۔ جین ہرمین نے بتایا کہ اس کے مقابلے میں شہری معاشرے میں ایسے معاملات کے عدالتوں تک پہنچنے کی شرح ۴۰ فیصد ہے۔[1]

متاثرہ عورتیں زندہ درگور

امریکی فوج میں اپنے مرد ساتھیوں کی بہیمانہ ہوس کا نشانہ بننے والی ان عورتوں کی دادرسی کس حد تک ہوتی ہے اور اپنی بقیہ زندگی میں اُنہیں کن ذہنی، نفسیاتی اور سماجی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دستیاب واقعاتی حقائق سے اس کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امریکی فوج میں عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی پر امریکی اخبار ڈینور پوسٹ (Denver Post) سے وابستہ ایمی ہرڈی (Amy Herdy) اور مائلز موفیٹ (Miles Moffeit) نے نو ماہ کی تحقیق کے بعد ایک رپورٹ تیار کی جو اخبار کی ۱۶ تا ۱۸ نومبر ۲۰۰۳ء کی اشاعتوں میں بالاقساط شائع ہوئی۔ ۲۰۰۴ء میں اسے (Betrayal in the Ranks) کے عنوان سے مستقل دستاویز کے طور پر بھی شائع کر دیا گیا۔

1 http://edition.cnn.com/2008/US/07/31/military.sexabuse/index.html?cref=rss_topstoris

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ڈینوپوسٹ کی اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی فوج میں اپنے مرد ساتھیوں کی ہوس کا نشانہ بننے والی ان مظلوم عورتوں کی دادرسی کے بجائے عموماً اُنہیں خاموش رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اُن کے خلاف جنسی تشدد کے مرتکب مجرموں کو عام طور پر کسی بازپرس اور سزا کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ رپورٹ میں 'کولوریڈو ایئر فورس اکیڈمی' کے اسکینڈل کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ۱۴۲ کیس رپورٹ ہونے کے باوجود ایک ملزم کو بھی سزا نہیں دی گئی۔

ان رپورٹروں نے ایسی مزید مثالیں دیتے ہوئے لاس ویگاس میں ۱۹۹۱ء میں ہونے والے 'نیوی ٹیل ہک کنونشن' کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس موقع پر سو سے زائد افسروں نے درجنوں خاتون اہلکاروں کو جنسی طور پر ہراساں کیا مگر جب اس سلسلے میں نیوی کی طرف سے انکوائری ہوئی تو مجرم افسروں نے تحقیقاتی عمل کو بالکل سبوتاژ کر کے رکھ دیا اور ان میں سے ایک کو بھی سزا نہیں دی جاسکی۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ امریکہ کا فوجی نظام یہ رعایت جن مجرموں کو دے رہا ہے، ان کے جرم کے اثرات ونتائج کیا ہیں اور جو عورتیں ان کی درندگی کا نشانہ بنتی ہیں، ان کی بقیہ زندگی کس طرح گزرتی ہیں۔ ڈینوپوسٹ نے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ایسی ۶۰ عورتوں سے بات چیت کی جنہوں نے انتقام کے خوف یا مجرموں کے خلاف کسی کارروائی سے مایوس ہونے کی بنا پر اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی کہیں رپورٹ درج نہیں کرائی تھی۔

اخبار لکھتا ہے کہ مجرمانہ حملوں کا نشانہ بننے والی درجنوں سابق فوجی خواتین اہلکاروں نے بتایا کہ اذیت کے اندرونی احساس کے سبب ان کے کیریئر تباہ ہو گئے۔ اُنہوں نے منشیات اور کثرتِ شراب نوشی میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جس سے ان کی زندگیاں برباد ہو گئیں۔

ماریان ہڈ ایسی ہی ایک مظلوم سابق امریکی سپاہی ہے۔ اس نے اپنے کرب کا اظہار جن الفاظ میں کیا، وہ دل دہلا دینے والے ہیں، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی فوج میں عورتوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا شرمناک اور وحشیانہ سلوک کس طرح خود امریکہ کے خلاف نفرت کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔ سابق فوجی ہونے کے باوجود امریکی پرچم لہرانے سے انکار کرنے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

والی ماریان ہڈ کہتی ہے:

"پہلے جب میں امریکی پرچم پر نظر ڈالتی تو یہ مجھے سرخ، سفید اور نیلا دکھائی دیتا تھا، مگر اب میں اس پر صرف خون کے رنگ دیکھتی ہوں۔ سرخ رنگ اس خون کی علامت ہے جو میرے بدن سے بہا۔ نیلا رنگ ان چوٹوں کی نمائندگی کرتا ہے جو میرے جسم نے سہیں۔ اور سفید رنگ میرے خوفزدہ چہرے کا ہے۔ میں اپنے ملک کے لئے ماری پیٹی گئی اور میری عزت لوٹی گئی۔ اسے کافی سمجھا جانا چاہیے۔"[1]

(۳) مغربی عورت کا حالِ زار: فطرت سے بغاوت کا نتیجہ!

مغربی تہذیب نے ماں، باپ اور شوہر و بیوی کی حیثیت سے عورت اور مرد کے فطری دائرہ کار، صنفی و جسمانی تقاضوں اور نفسیاتی و جذباتی مطالبات کے کھلے فرق کو نظر انداز کر کے زندگی کے ہر میدان میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کرنے کی جو غلطی کی تھی، مغرب کی عورت کو درپیش مسائل اور ذلت انگیز حالات، جن کا کچھ ذکر سطور بالا میں ہوا، فی الحقیقت اسی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ مغربی عورت گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ مردوں کی طرح معاشی جدوجہد میں بھی جوت دی گئی ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے ساتھ کام ضرور کر رہی ہے لیکن عملاً وہ مردوں کا دل بہلانے کا کھلونا بن گئی ہے۔ اس طرزِ زندگی کے کئی عشروں کے تجربے نے مغربی عورت پر یہ حقیقت روشن کر دی ہے کہ آزادی و مساوات کے نام پر یہ سودا اُسے بہت مہنگا پڑا ہے۔ لہٰذا آج مغربی عورت دوبارہ گھر کی پناہ گاہ میں واپس جانے کی آرزو مند ہے۔

مغربی عورتوں میں اسلام کی حیرت انگیز مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات عورت کو گھر کا مرکز بناتی ہیں اور معاشی جدوجہد میں شرکت کی کوئی ذمہ داری اس پر عائد کیے بغیر محبت، عزت اور احترام کا وہ مقام دیتی ہیں، جس کا کوئی تصور مغربی معاشرے میں نہیں پایا جاتا۔ مسلمان ہونے والی مغربی خواتین اپنے قبولِ اسلام کے اسباب میں اسلام کے ان اوصاف

1 http://extras.denverpost.com/justice/tdp_betrayal.pdf

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کا عموماً بطور خاص ذکر کرتی ہیں۔ تاہم ذیل میں اس حوالے سے کئی ہزار برطانوی عورتوں کی ایک کھلی گواہی پیش کی جا رہی ہے جو ہر معقول شخص کیلئے سوچ بچار کا بڑا سامان رکھتی ہے۔

۹۴ فیصد برطانوی عورتیں 'سپر وومین رول ماڈل' سے بیزار

برطانیہ کی خواتین بیک وقت گھریلو ذمہ داریوں اور ملازمت کی ذمہ داریوں کو بھاری بوجھ محسوس کرتی ہیں۔ خواتین کے بہت سے میگزین اکثر ایسی آرا اور معلومات پیش کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹاپ سانتے (Top Sante) نامی برطانوی میگزین کے ایک سروے کے مطابق، جس کی تفصیلات ہم نے برطانوی اخبار 'ڈیلی میل' میں شائع ہونے والی رپورٹ سے لی ہیں، برطانیہ کی ۹۴ فیصد ملازمت پیشہ خواتین کا کہنا ہے کہ وہ زوجیت، مادریت اور ملازمت کے تقاضے بیک وقت پورے کرتے کرتے بے دم ہو چکی ہیں اور اس سپر وومن رول ماڈل سے نجات کی آرزومند ہیں۔

میگزین کی ایڈیٹر جولیٹ کیلو (Juliet Kellow) جنہوں نے برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، ویلز اور شمالی آئرلینڈ کی پانچ ہزار ملازمت پیشہ عورتوں کے انٹرویو کا اہتمام کر کے یہ جائزہ پیش کیا ہے، کہتی ہیں "It is time for super woman to put back in her box." یعنی وقت آگیا ہے کہ سپر وومن واپس اپنے گھر کا رُخ کرے اور اپنی اصل ذمہ داریاں نبھائے۔

سروے میں کہا گیا ہے کہ سپر وومن کا یہ رول ماڈل ان عام عورتوں کے لیے قطعی سازگار نہیں جن کے پاس گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لیے بچے کھلانے والی اناؤں، صفائی ستھرائی کرنے والی خادماؤں، پرسنل سیکرٹریوں اور ہیر ڈریسروں وغیرہ کی فوج نہیں ہے۔ سروے کے مطابق ہر دس میں سے آٹھ ملازمت پیشہ عورتوں کا خیال ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی کل وقتی ملازمت خاندانوں کے ٹوٹنے کا ایک بڑا سبب ہے۔ سروے میں بتایا گیا ہے کہ ملازمت پیشہ عورتوں کے تعلقات اپنے شریکِ حیات کے ساتھ تلخ ہو جاتے ہیں کیونکہ بیشتر عورتیں سمجھتی ہیں کہ مرد اپنا بوجھ اتنا نہیں اُٹھاتے جتنا اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ خیال ۸۴ فیصد عورتوں نے ظاہر کیا ہے۔ اس کے باوجود ایک تہائی عورتوں کے لیے اپنی ملازمت چھوڑ کر اپنے آپ کو گھر کے لیے

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

وقف کر دینا ممکن نہیں کیونکہ وہ اپنے شوہروں یا مرد پارٹنروں کی نسبت زیادہ کماتی ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ برطانیہ میں بھی، جو موجودہ مغربی تہذیب کا امامِ اوّل ہے اور جس نے پوری مغربی دنیا کو اس راہ پر لگایا ہے، مساواتِ مرد وزن کے تمام دعووں کے باوجود سروے کے مطابق اب تک عورتیں ہی گھر اور خاندان کے اُمور کے لیے بنیادی طور پر جواب دہ اور ذمّہ دار ہیں حالانکہ وہ مردوں ہی کی طرح اپنا پورا دن ملازمت کی مصروفیت میں گزار کر تھکی ہاری گھر پہنچتی ہیں۔ اپنی ان سہ طرفہ مستقل اور سخت ذمہ داریوں کی مسلسل ادائیگی نے انہیں زمین سے لگا دیا ہے۔ جولیٹ کیلو کا کہنا ہے کہ ایک کل وقتی گھریلو خادمہ، ملازمت پیشہ عورتوں کی اکثریت کیلئے دیومالائی خواب ہے۔ بہتر معاوضے والی جزوقتی ملازمتیں ان گھر بار والی عام ملازمت پیشہ عورتوں کے مسئلے کا ایک حد تک حل ہوسکتی ہیں لیکن یہ انتہائی کمیاب ہیں اور ان کا حصول نہایت دشوار ہے۔ سروے کے مطابق ۵۷ فیصد برطانوی کمپنیاں اب تک اپنے ہاں ملازمت کرنے والی عورتوں کو ماں بن جانے کی صورت میں کوئی رعایت اور کوئی الاؤنس نہیں دیتی ہیں خواہ ملازمت جاری نہ رکھ پانے کی وجہ سے کمپنیوں کو ان کے تجربے اور صلاحیتوں سے محروم ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

سروے میں بتایا گیا ہے کہ گھر اور بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ملازمت کی مشقت عورتوں کی صحت کو بُری طرح متاثر کر رہی ہے۔ ذہنی اور جسمانی طور پر تازہ دم ہو کر صحت مند رہنے کے لئے کم سے کم ناگزیر وقت بھی ان عورتوں کے پاس نہیں ہوتا۔ ان غریب عورتوں کا طرزِ زندگی پریشر کُکر جیسا بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کی بنا پر مسلسل دباؤ میں رہتی ہیں اور اُنہیں ایک کام سے دوسرے کام کی طرف دوڑتے رہنا پڑتا ہے چنانچہ اُن کے رویے میں جارحیت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ سروے میں ملازمت پیشہ عورتوں کی عمومی صورت حال سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر مالی مجبوریاں نہ ہوں تو برطانیہ کی ۴۸ فیصد ملازمت پیشہ عورتیں صرف آرام کرنا پسند کریں گی۔ ۳۲ فیصد گھرداری اختیار کرنے کا فیصلہ کریں گی اور صرف ۲۰ فیصد ملازمت جاری رکھنے کو ترجیح دیں گی۔[1]

© rasailojaraid.com

1 http://www.dailymail.co.uk/news/article-123003/Sick-Superwoman.html

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سستی لیبر کے لیے سرمایہ داری کی چال

مغرب میں عورت کا یہ حالِ زار دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی عورت کے خلاف خوفناک سازش کا نتیجہ ہے جسے آزادئ نسواں کا دلکش اور پُر فریب نام دیا گیا۔ اب یہ کوئی راز نہیں کہ آزادئ نسواں اور مساواتِ مرد و زن کی تحریکوں کے نام پر عورت کو گھرداری اور نئی نسل کی پرورش اور تربیت کے فطری فریضے کی ادائیگی کے لیے فارغ رکھے جانے سے دراصل روکا ہی اس لئے گیا تھا تاکہ اسے گھر سے باہر لا کر سرمایہ داری نظام کی ضرورت کے مطابق کارخانوں اور دفاتر کے لئے سستی لیبر فراہم کی جاسکے اور عشروں سے ان معاشروں میں عورت کا عملی کردار یہی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ فطرت سے بغاوت کے کبھی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوتے چنانچہ مغرب، خاندانی نظام کے تقریباً مکمل خاتمے کی صورت میں آج فطرت کے خلاف کی گئی اس بغاوت کے انجام سے دوچار ہے جس پر چیخ پکار تو سنائی دیتی رہتی ہے مگر اب اس گاڑی کو ریورس گیئر لگانا بہت مشکل ہے۔

عورت کی معاشی جدوجہد، خوشحالی کا ذریعہ ؟

ایک عام تصور یہ ہے کہ عورت کو چوکوں اور بازاروں میں کھینچ لانے سے مغرب کا خاندانی نظام اور گھریلو سکون چاہے کتنا ہی برباد ہو گیا ہو مگر کم از کم معاشی طور پر عام آدمی بھی بہت خوشحال ہو گیا ہے، لیکن یہ بھی بس ایک خیال خام ہی ہے۔ امریکہ کی وَرمونٹ یونیورسٹی کے پروفیسر ہک گٹ مین (Huck Gutman) امریکہ میں معاشی عدم مساوات کے موضوع پر اپنے ایک مقالے میں جو پاکستان کے ممتاز انگریزی اخبار 'ڈان' میں بھی یکم جولائی ۲۰۰۲ء کو شائع ہوا، لکھتے ہیں:

"اگرچہ لگتا ہے کہ امریکہ کے لوگ ناقابل تصور امارت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر امریکیوں کو پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا اور ایک قابل لحاظ تعداد بھوکی رہ جاتی ہے۔" وہ کہتے ہیں کہ "گزشتہ صدی کی آخری چوتھائی جس میں امریکی کاروباری شخصیات نے پوری دنیا میں اپنی طاقت اور اثر و رسوخ بڑھا کر بھاری

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

منافع کمایا، اس پوری مدت میں امریکی محنت کش کو کوئی اضافی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔
امریکی کارکنوں کی اُجرتیں ۱۹۷۸ء سے ایک ہی سطح پر برقرار ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔''

اُس کے مقابلے میں اعلیٰ افسران کے معاوضے بڑھتے چلے گئے اور اس تحقیق کے مطابق آج کیفیت یہ ہے کہ ان کی آمدنی ایک عام کارکن سے سات سو گنا تک زیادہ ہے۔ پروفیسر گٹ مین نے اسے زیادہ آسان پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک چیف ایگزیکٹو آفیسر آدھے دن میں اتنا کمالیتا ہے جو ایک مزدور سال بھر میں بھی مشکل سے کما پاتا ہے۔

اُن کا کہنا ہے کہ امریکہ کے ایک فی صد امیر ترین لوگ، نیچے کے ۹۵ فی صد لوگوں سے زیادہ وسائل کے مالک ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

''اس بات پر یقین کرنا ان لوگوں کے لیے مشکل ہوگا جو ٹی وی پروگراموں میں امریکیوں کو اسپورٹس گاڑیاں چلاتے اور سجے سجائے گھروں میں بسا دیکھتے ہیں لیکن معاشی حقیقت یہ ہے کہ امریکی خاندانوں کے معیارِ زندگی میں جو اضافہ بھی ہوا ہے، وہ تقریباً سب کا سب عورتوں کے بڑے پیمانے پر ورک فورس میں شامل ہونے کا نتیجہ ہے، اور گھریلو اخراجات جو پہلے ایک کمانے والے کی آمدنی سے پورے ہو جاتے تھے، اب اُن کے پورے ہونے کا دارومدار دو افراد کی آمدنی پر ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال، گھر کا انتظام، کھانا پکانا، یہ چیزیں اب روزمرہ کام کا حصّہ نہیں بلکہ اضافی بوجھ ہیں۔''[1]

واضح رہے کہ امریکہ سمیت پوری مغربی دنیا بے انصافی پر مبنی نظام سرمایہ داری کے سبب گزشتہ کئی برس سے جس معاشی بحران کا شکار ہے، اس کی وجہ سے عام آدمی کے حالات مزید ابتر ہوئے ہیں اور امیر وغریب کے درمیان بڑھتے ہوئے تفاوت کے باعث پوری مغربی دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف عوامی احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ عورت کا استحصال اس نظام کا ایک بنیادی وصف ہے۔ زوجیت، مادریت اور خانہ داری کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مردوں کی طرح معاشی جدوجہد بھی اس کی مجبوری بنا دی گئی ہے جبکہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار واضح طور پر الگ الگ ہیں۔ اور اسلام نے زندگی کے کسی مرحلہ پر، اور کسی

1 http://www.commondreams.org/views02/0701-05.htm

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بھی حیثیت سے ، عورت کو اپنی مالی کفالت کا ذمہ دار نہیں بنایا، بلکہ یہ فرض اس کے قریبی مردوں کے سپرد کیا ہے، اسلام کے طبقہ نسواں پر اس سے بڑا کیا احسان ہو سکتا ہے!!

اسلامی نظام میں عورت کو گھر کی پناہ گاہ سے باہر آنے پر مجبور کیے بغیر تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں اور اس کی مکمل کفالت اور تمام ضروریات کی تکمیل مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مسلم دنیا میں خاندان کا ادارہ اسی بنا پر آج بھی مستحکم ہے اور مسلمان معاشروں میں عورتیں بالعموم ان مسائل سے دوچار نہیں ہیں جن سے مغرب کی عورت کو شب و روز سابقہ درپیش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کی عورت اس سپر وومن رول ماڈل سے بیزار ہو چکی ہے جس کا جھانسا دے کر اسے اپنے گھر کی جنت سے نکال کر کارگاہوں اور بازاروں کی زینت بنایا گیا ہے اور پانچ ہزار عورتوں سے انٹرویو کے بعد ان کی بھاری اکثریت کی آرا کی روشنی میں ٹاپ سانتے کی ایڈیٹر کو کہنا پڑا ہے کہ

> Working women are heartily sick of these do it all role models. It is time for superwoman to be put back in her box.
>
> "ملازمت پیشہ عورتیں ہر چیز کی ذمہ داری والے اس طرزِ زندگی سے شدید طور پر بیزار ہو چکی ہیں، وقت آگیا ہے کہ سپر وومن اپنے گھر واپسی کی راہ لے۔"[1]

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ خدائی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اور فطرت کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے مغربی تہذیب نے عورت کو مرد بنانے کی جو احمقانہ کوشش کی، اس کے نتیجے میں وہ نہ پوری طرح مرد بن سکی، نہ پوری عورت رہ سکی۔ اس بنا پر آج وہ شدید مسائل کا شکار اور اس صورت حال سے چھٹکارے کی آرزو مند ہے۔ یہی کیفیت اسلام کی جانب مغربی خواتین کے رجوع کا ایک بنیادی سبب ہے جس کے شواہد آئے روز ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔

[IPS، اسلام آباد سے حال ہی میں شائع ہونے والی
کتاب 'عورت، مغرب اور اسلام' کا ایک اہم باب]

1 http://www.dailymail.co.uk/news/article-123003/Sick-Superwoman.html

© rasailojaraid.com
محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ